میرے ہمزاد شہ رگ کی مانند ہیں

"میں یا تو اپنا سر پھاڑ لوں گی یا تمہیں ختم کر دوں گی۔
نجانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی، جب میں نے وہ سب کچھ تم سے شیئر کیا تھا۔"

گرمیوں کی تپتی دوپہر میں وہ اس وقت پیڈسٹل فین کی نہ ہونے کے برابر ہوا میں بیٹھی پسینے اور سورج کی گرمائش کو شکست دے رہی تھیں۔

اور ہلکی پھلکی گفتگو آج پھر یہ رُخ اختیار کر گئی تھی۔

"پلیز! علیزے! میری خاطر.....!" ہدیٰ اتنی انسلٹ کے باوجود بھی اپنی بات پر جمی ہوئی تھی۔

"ہدیٰ! مجھے مجبور مت کرو۔ جانتی ہو نا تم مجھے۔ بچپن

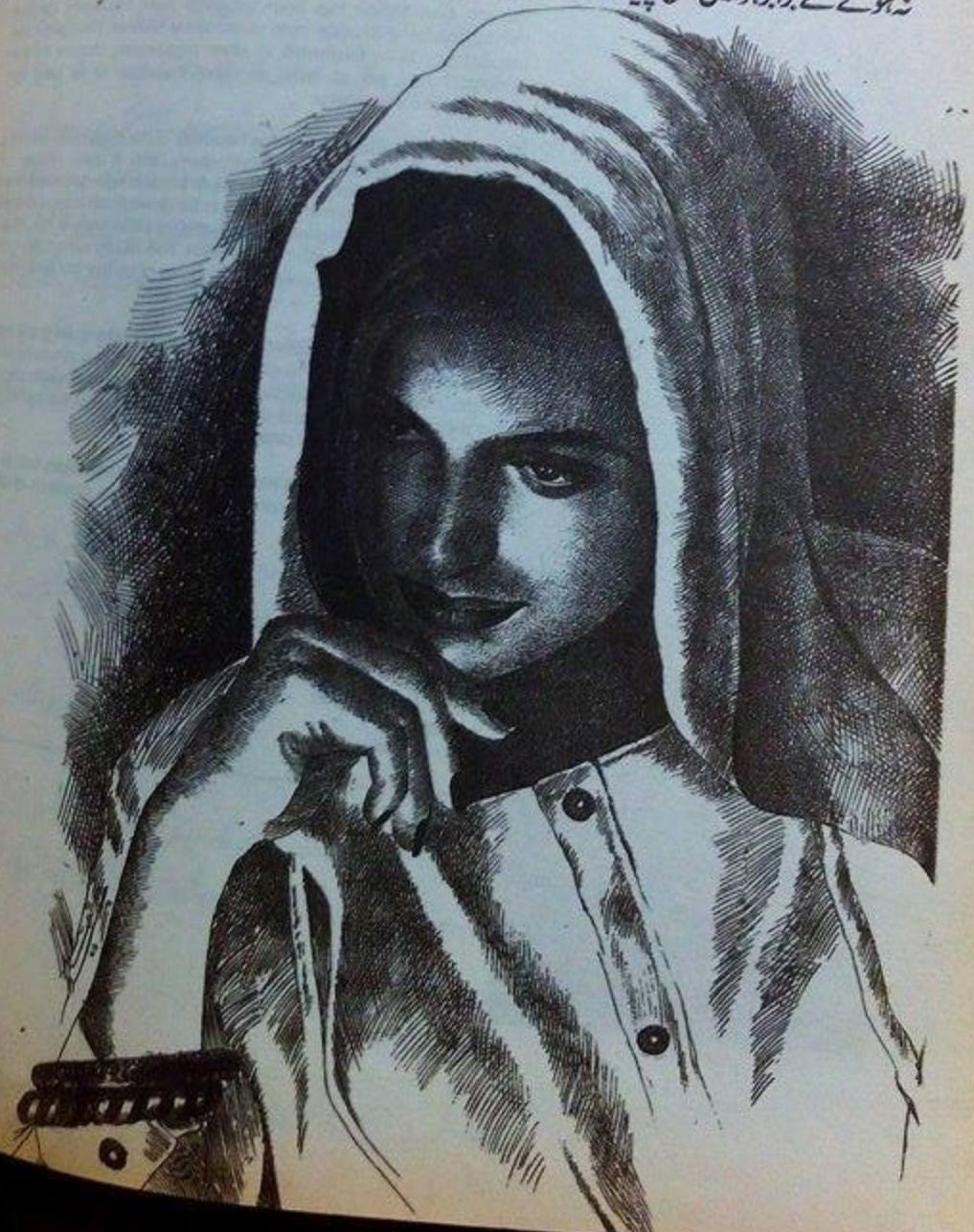

ہے پھر بے ساتھ ہو۔ پھر بھی اتنی باضد کیوں ہو؟" بچے کو گود لئے ہوئے دوپٹے کے پلو سے ہوا کرنے لگی۔

"ایک تو گرمی میں اوپر شیڈنگ کی بھی اتنی مصیبت ہو گئی ہے کہ ام لائٹ میں اے سی بھی نا چل سکے۔" ساری بچے میں اس نے لائٹ پر نکال۔

"تو تم کیوں مانو گی؟" ہوٹی کا صبر بھی جواب دے گیا تھا۔

"تو نو رائٹ از ہیپ سلی۔" دوٹوک جواب تھا۔

"رائٹ۔ تو مجھے کارڈ دو میں خود رابطہ کر لوں گی۔ اتنا مخلص بندہ میں تو گنوا نہیں سکتی۔"

"اوہ... ہو... اکتنا جانتی ہو اس مخلص بندے کو؟" اتنے مان سے کہنے پر اس کا مذاق اڑایا۔

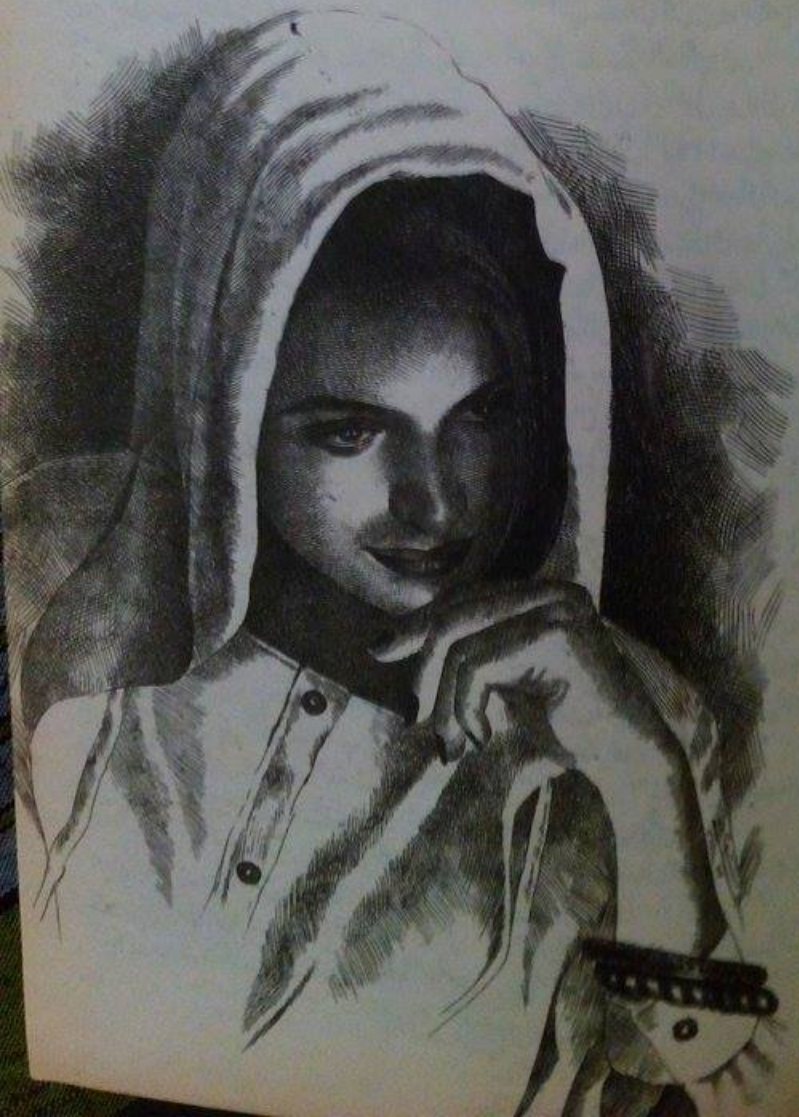

"جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جس نے تمہیں ایکسپریس کر دیا۔ یقیناً کوئی توپ چیز ہے اور اسی لیے میں اُسے کھونا نہیں چاہتی۔"

"جاؤ پھر سر میں خاک ڈالو اور ڈھونڈنے نکل جاؤ اسے۔ پر مجھے پریشان مت کرو۔ بڑا احسان ہوگا تمہارا۔" فریزر سے بوتل نکال کر منہ سے لگائی۔

"اللہ پوچھے گا تمہیں علیزے! اس طرح بھی کسی کا صبر نہیں آزمانا چاہیے۔" ہمیشہ کی طرح آج پھر اس بحث کا کوئی سرا ہدیٰ کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔

"علیزے! دیکھو ذرا کپڑے سوکھ گئے ہوں تو لے آؤ۔" امی نے علیزے کو پکارا جو مزے سے آم کھانے میں مصروف تھی۔

"اچھا امی!" وہ سعادت مندی سے اُٹھ کر اوپر چل دی۔

"امی! کیوں اتنی گرمی میں اسے بھیج دیا؟ تھوڑا سورج ڈھل جانے دیتیں۔ کبھی بیمار پڑ جائے۔"

"کچھ نہیں ہوتا بیٹا! اتنا مت سنبھال کر رکھو اسے۔ پرائے گھر بھی جانا ہے۔ اور ویسے بھی بیٹیوں کو ہر پرویز سے گزارنا چاہیے۔ ان کے نصیب کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔" امی نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

"تب کی تب دیکھیں گے۔ مگر ابھی تو تھوڑا خیال رکھیں نا ہم۔ جو ہم پر فرض ہے۔" بھائی کے لہجے میں بہن کی محبت ہی محبت بول رہی تھی۔

"بس یہ ساری باتیں کہنے کی ہیں۔ کب سے کہہ رہی ہوں۔ ایک عدد بھابھی کا چہرہ دکھا دیں۔ مجال ہے جو مان لیں۔ یہ بھی تو میری ایک خوشی ہے اور آپ پر فرض ہے کہ میری اس خوشی کی تکمیل کی جائے۔" سارے کپڑے اس نے امی کے سامنے تہہ کرنے کے لیے رکھ دیے۔

"پہلے تمہاری تو کر دوں۔ پھر اپنی سوچوں گا نا۔ ویسے بھی بھابھیاں نندوں کو کم ہی برداشت کرتی ہیں اور اس وقت میری شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ تم ہو۔ جو بھی ایک عدد نند کا سنتا ہے لڑکی دینے سے انکار کر دیتا ہے۔"

امی.....!" وہ تنک کر بولی تو بھائی کے قہقہے میں امی کی مسکراہٹ بھی شامل ہوگئی۔

"بھائی! میں گنجا کر دوں گی آپ کو۔" شرارت بھرے ہوئے چیخ کر بولی۔

"جلدی کرو یہ نیک کام۔ میرے لیے اور بھی آسانی ہوگی۔ لوگ بولیں گے لڑکا گنجا ہے۔ ہم اپنی چاندی لڑکی نہیں دے سکتے۔"

"آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا بھیا!" وہ زچ ہو کر تہہ شدہ کپڑے لے کر اندر چل دی۔

تین بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی علیزے تابش۔ ہر ایک کی آنکھ کا تارا۔ ویسے دیکھا جاتا تو علیزے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بہن بھی تھی ہدیٰ۔

ہدیٰ ذوالفقار علیزے کی بیسٹ فرینڈ۔ آج کل دونوں کالج سے امتحان دے کر فارغ تھیں۔ کچھ خاص مصروفیت نہیں تھی۔ ماسوائے یہ کہ دن بھر میں کبھی علیزے ہدیٰ کے گھر ہوتی اور ہدیٰ علیزے کے گھر۔ نجانے دن بھر کون کون سی باتیں تھیں۔ جو ختم ہی نہیں ہوتی تھیں۔ قینچی کی طرح زبانیں چلتی تھیں دونوں کی۔ پر باتیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔

دونوں بچپن کی گہری دوستیں تھیں۔ بڑوں سے سننے میں آیا تھا۔ کہ ممی نے علیزے کی پیدائش کے بعد چالیس دن کا غسل نہایا تھا تو ہدیٰ کے گھر والے اس محلے میں آئے تھے۔ اور اس کی امی کی گود میں سوا ماہ کی ہدیٰ مہک رہی تھی۔ دونوں گھروں میں تعاون ہوا تو یہ تعارف آج بیس سال پرانی ہو گیا تھا۔

"علیزے.....!" ہدیٰ بیڈ پر اس کے برابر میں لیٹی آج پھر خوشامد کے لیے تیار تھی۔

"بس چپ ہو جاؤ۔ آگے کچھ مت پوچھنا۔ ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

"بس تم مجھے وہ کارڈ دے دو علیزے! آگے میرا مسئلہ ہے۔"

[illegible] کیا ہے؟" کرسٹ نے کرا سے دیکھا۔

[illegible] کر میں علیزے ہوں۔ اور آج سے چھ ماہ قبل [illegible] ایک حسین اور خمار آلود رات میں میں اور آپ ایک [illegible] سے ملے تھے اور تب سے اب تک میں آپ کی [illegible] ہوں۔" بات پوری ہونے سے قبل [illegible] کے سر پر گہری ضرب لگ چکی تھی۔

[illegible] کا ایک ہی حل ہے مس! کوئی اچھا سا [illegible] ہو بھل تلاش کیجیے اور آرام سے باقی زندگی [illegible] کی صورت میں گزار دیں۔" علیزے نے [illegible] کے لیے قدم بڑھائے۔

"[illegible] کیوں؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ کہے میں [illegible] سے دیوانہ ہوں آپ کا۔ میں نے شہر کا کوچہ کوچہ [illegible] تلاش میں چھان لیا ہے۔ آخر تم ہو کہاں؟"

[illegible] خیالوں میں ہوتا ہے اور ہم حقیقی زندگی میں ہیں۔ [illegible] کہ کوئی فلم یا اسٹوری کے رول پلے کر [illegible]۔" کپڑے لے کر جھٹ سے باتھ روم کا دروازہ [illegible]

[illegible] کیا کرتے ہو تم لوگوں نے؟" عفان بھائی آفس [illegible] کے لیے تو ان دونوں سے مخاطب ہوئے [illegible] کے ساتھ کیرم کھیلنے میں مشغول تھیں۔

[illegible] کے لیے لڑکی دیکھیں گے۔ پھر شادی کی [illegible] اور پھر گھر میں ایک اچھی سی بھابھی [illegible] علیزے نے پوری پلاننگ بتائی۔

[illegible] بھیا نے اس کا اتنا اشتیاق [illegible]

[illegible] خواب میں چھیڑے۔" بہن نے بھی [illegible]

[illegible] نیند میں چلنے کی عادت ہے۔ [illegible] خواب دیکھو گی تو نقصان ہمارا [illegible] اس کے کچھ میں سٹے بال کھینچے تو وہ [illegible] خواب ہی کیوں دیکھتا؟ اسی سال شادی نہ کرائی تو پھر کہنا۔" چیلنج کرتے ہوئے بولی۔

"توبہ توبہ! شرم نہیں آتی تمہیں۔ بے شرم کہیں کی۔ کہاں گئی تم مشرقی لڑکیوں کی مشرقیت۔ کتنے دھڑلے سے تین جوان بھائیوں کے سامنے اپنی شادی کی باتیں کر رہی ہو۔"

"ہا۔ ہا۔ ہا۔۔۔! بھائی! میں نے اپنی کب کہا؟" اسکا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ابھی تو کہا ہے۔ اس سال شادی نا کرائی تو کہنا۔ بھیا نے یاد دلایا۔

"تم سب گواہ ہو نا۔ بتاؤ ذرا؟" بھائی نے سب سے گواہی مانگی۔

"آئی ایم سوری! مجھے اپنے بال بہت عزیز ہیں۔" رہیق نے اپنا پیارا سا ہیئر اسٹائل چھوا۔ جو ہر دو منٹ بعد علیزے کی مٹھی میں بند ہوتا تھا۔

بھائی نے حارث کو دیکھا۔ "سوری بوس۔ مجھے ابھی اسی گھر میں رہنا ہے۔" حارث نے خلف کے سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر معذرت کی۔

"جی آنٹی! آئی۔" اس سے پہلے کے بھیا ہدیٰ سے پوچھتے۔ وہ بھی وہاں سے رفو چکر ہو گئی۔ اور یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ سب بھائی اس سے ایگری ہیں۔ مگر علیزے کی مخالفت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے.....

"کہنے کو میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں
اجنبی مگر وہ شخص مجھ سے بھولتا نہیں"

آج پھر ایک لمبی بحث ہوئی تھی دونوں کے درمیان اور ہر بحث کے بعد آج پھر وہ سوچنے میں مصروف تھی۔ وہ جتنا اس شخص کو بھولنے کی کوشش کرتی تھی۔ ہدیٰ اتنا ہی اس کا ذکر کر کے اسے سوچنے پر مجبور کرتی تھی۔ عبدال شیرازی وہ پہلا اور شاید آخری شخص۔ جس نے علیزے تابش کو اس کی دھڑکنوں کو بے چین کر دیا تھا۔ اس کے دل کو بے قرار کر دیا تھا۔

عام سا حلیے والا تھا عبدال شیرازی بلیک سوٹ اسکائی بلیو شرٹ مہرون فریم کے چوکور گلاسز جو اس پر بہت زیادہ

سوٹ کر رہے تھے سادہ پیشانی پر بلیک ہیر اسٹائل جمع ہوا تھا اور علیزے کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"کھلتے پھولوں کی ردا ہو جائے
اتنی حساس ہوا ہو جائے
مانگتے ہاتھ پہ کلیاں رکھ دے
اتنا مہربان خدا ہو جائے"

نجانے کیوں عبدال شیرازی کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو چونکی تھی۔ اس کا دل کیوں مچلنے لگا تھا؟ لاکھوں لڑکوں کو دیکھ کر وہ اتنی بڑی ہوئی تھی۔ مگر نہ جانے آج دل کو کیا ہو گیا تھا۔ کچھ عجیب سا ہی ہو رہا تھا۔ ویسے تو وہ بہت کم ہی ایسے فنکشنز اٹینڈ کرتی تھی۔ اس طرح کے فنکشن جو آؤٹ آف فیملی کے ہوتے تھے۔ ان سے وہ اجتناب ہی برتتی تھی۔ مگر آج ڈیڈی کی ضد پر اسے آنا ہی پڑا تھا۔ مگر اب اس رنگ و بو کی محفل میں وہ شدید بوریت کا شکار تھی۔ مگر اب جب سے وہ محفل میں آیا تھا۔ محفل خود بخود حسین ہو گئی تھی۔ جب سے وہ بہانے بہانے سے نظر بچا کر اسے مسلسل دیکھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔ کین آئی سٹ ہیئر میم؟" ایک مردانہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی شخص اس کے سامنے چیئر تھامے کھڑا تھا۔

"شوور سر! وائے نوٹ۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے اجازت دیتی ہوئی چل دی۔

"ہیلو میم! میں آپ سے ہی چند باتیں کرنے کے لیے آیا ہوں۔" وہ کب سے اس کی حرکتیں نوٹ کر رہا تھا۔ آخر اس کے پاس آ ہی گیا تھا۔

علیزے نے اپنی جانب متوجہ لوگوں کو دیکھتے ہوئے بیٹھنا ہی بہتر جانا۔

"آپ بور ہو رہی ہیں شاید؟" گرے کلر کے ویلوٹ کے سوٹ پر بلیک گرم شال سردی کے باعث لپٹی ہوئی تھی۔ ہلکے گھنگھریلے کالے بال کمر تک پھیلے ہوئے تھے۔

جسے وہ کب سے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔ اب وہ اتنے قریب تھا اس کے۔ اس کے سامنے بیٹھا وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ بہت کنفیوز ہو رہی تھی اور دھیما دھیما غصہ بھی آیا تھا۔ کیا ضرورت تھی بھلا یوں فری ہونے کی.....؟

"جی سر! دراصل میں آؤٹ آف فیملی فنکشن ذرا کم ہی اٹینڈ کرتی ہوں۔ اس طرح کے فنکشن میں زیادہ انٹرسٹ نہیں لیتی۔"

"یہ تو بڑی غلط بات ہے۔ آپ نے ساری زندگی اپنی فیملی میں ہی تو نہیں رہنا نا؟ باہر نکلا کریں۔ کچھ دوست بنائیے۔" وہ یوں اسے مشوروں سے نواز رہا تھا جیسے نہ جانے کتنے پرانے تعلقات ہیں۔

"اور کرتی کیا ہیں آپ؟" ایک نیا سوال حاضر تھا۔

"جی میں تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔" جواب دے کر اس نے ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے دیکھا کہ شاید کہیں ممی نظر آ جائیں۔

"کیسی ہے پڑھائی؟ زیادہ مشکل تو نہیں لگ رہی؟"

"ہر چیز سمجھ آنے اور سمجھنے سے پہلے مشکل ہوتی ہے سر! لیکن آپ جب اس پر انٹرسٹ لے جائیں تو وہ مشکل نہیں رہتی۔"

"ویری گڈ! کافی انٹیلیجنٹ ہیں آپ۔ اور کون آیا ہے آپ کے ساتھ؟" کھانے کی اناؤنسمنٹ ہو چکی تھی شاید۔ سب ٹیبل کے گرد جمع تھے۔

"ممی اور ڈیڈی۔" شدید کوفت کا شکار تھی۔ وہ بات ہی کہاں کرتی تھی کسی باہر کے بندے سے۔ ہاں گھر میں تو زبان پٹر پٹر چلتی تھی۔

"یہ کارڈ ہے میرا۔ آپ سے باتیں کرنا مجھے اچھا لگا اور چاہتا ہوں کہ یہ اچھائی مزید طویل ہو جائے۔" وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"آئی ایم سوری سر.....!" اس کا رنگ فق سے اڑ گیا تھا۔ اس کی اس حرکت پر آس پاس نظریں دوڑا کر خود کو مطمئن کیا۔ اتنی شدید سردی میں بھی پسینے بہہ گئے تھے۔ گھبراہٹ میں اس نے کچھ کلپ سے نکال کر بال لپیٹے

چاہیے۔

"رہنے دیں نا۔ کھلے بال زیادہ اچھے لگتے ہیں۔"

نجانے وہ سچ کہہ رہا تھا یا ایک حربہ تھا۔ مگر اب وہ تپ چکی تھی اور مزید رعایت نہیں برت سکتی تھی۔ تبھی غصے کے اثرات چہرے پر نمایاں تھے۔ اس نے بال سمیٹ کر کیچر میں سمیٹ لیے اور بغیر کچھ کہے سنے آگے بڑھ گئی۔

پھر پورے وقت علیزے تھی اور اس ڈھیٹ شخص کی جذبے لٹاتی نگاہیں تھیں۔ اور ڈیڈی شاید اجازت چاہ رہے تھے ضمیر انکل سے۔ جب وہ قریبی ٹیبل کے پاس کھڑا ایک کارڈ اس پر رکھ کر علیزے کو اٹھا لینے کا حکم دے کر بھیڑ میں گم ہو گیا۔

"شیرازی" سرنام کے ساتھ نیچے اس کا نام عبدال شیرازی اور اس کا کونٹیکٹ نمبر چمک رہا تھا۔

اور نجانے کیوں ایسا ہوا تھا کہ اس نے عبدال سے ملاقات کی؟ ارادہ اور اس کا خلیہ حرف بہ حرف بغیر کسی غلطی کے ہدیٰ کو سنایا تھا۔

اور ہدیٰ منہ کھولے بغیر یقینی سے اسے دیکھے گئی کہ واقعی وہ ہی علیزے ہے یا رات ہی رات میں کوئی دوسری ایکسپورٹ ہو کر آ گئی ہے یا غدانخواستہ شادی میں سے کسی اور کو تو نہیں اٹھا کے لے آئے۔

"مجھے دو یہ کارڈ علیزے! میں ایک منٹ کی بھی اب دیر نہیں کر سکتی۔" ہدیٰ ایک جست لگا کر کھڑی ہوئی تھی۔

"بد ھو ہو تم۔ ہٹو پرے۔" علیزے نے کارڈ اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا۔ آیا ہدیٰ کہیں چھین ہی نہ لے۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ مگر میں بھی عقل رکھتی ہوں۔ اس کو اس وقت صرف ٹائم گزارنے کے لیے کوئی بھی چاہیے تھا۔ سو اس نے مجھے چنا۔ وہ سمجھا شاید میں بھی انہی بیوقوف لڑکیوں میں سے ہوں۔"

"اس وقت تو تم واقعی بیوقوفوں کی قطار میں کھڑی ہو مس علیزے تابش!"

"آئی کانٹ بلیو۔ تم میں اس کی ایک ایک ادا ازبر ہے آخر کتنی غور سے تم نے اسے دیکھا ہوگا۔ میں تو یہ سوچ کر ہی پریشان ہوں۔"

اور پھر وہ دن تھا اور آج کا دن ہدیٰ کی منتیں تھیں اور کھنور پن۔ اس کا من تو چاہتا تھا کہ ایک بار اس سے بات کرے۔ اسے بتائے کہ تم آج بھی مجھے یاد ہو۔ آج بھی تمہاری ایک ایک ادا مجھے ازبر ہے عبدال! وہ بڑا سا لوگوں سے بھرا لان۔ سردی کی دھند زدہ ٹھنڈی رات تمہاری توجہ اور محبت لٹاتی نگاہیں جذبات سے چور لہجہ آج بھی میرا حصار کیے ہوئے ہیں۔ مگر میں خاموش ہوں۔ میں ڈرتی ہوں خدا سے اپنے اس دل سے جو نجانے کب سے مجھ سے لڑ رہا ہے۔ تمہاری وکالت کر رہا ہے اور شاید اب میں چپ ہو جاؤں عبدال! کہ میں اب تمہاری سوچوں سے مقابلہ نہیں کر سکتی.....

"شرافت سے اپنا وعدہ پورا کرو ہیق! ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ بلی کی طرح پنجے نکالے اس کے سر پر کھڑی تھی۔

"تو کس غلط فہمی میں ہو؟ برا تو ابھی بھی کوئی نہیں ہے تم سے۔" حارث کی آواز جانے کہاں سے آئی تھی۔

"تم اپنی زبان بند رکھو۔ اب ایک لفظ بھی بولا نا تو خیریت نہیں۔" اس نے ادھر ادھر حارث کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ مگر وہ نظر نہیں آیا تھا۔

"اور تم اٹھتے ہو یا نہیں؟ پہلے وعدہ کیوں کیا تھا؟ جب پورا نہیں کرنا تھا۔" اب وہ جارحانہ انداز چھوڑ کر رونے کو تھی۔

"حارث! جلدی سے باتھ لب لے آؤ۔ نہانا ہے تو ابھی پانی آنے والا ہے۔" علیزے کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں تو ہیق نے حارث کو پکارا۔

"کیوں پریشان کر رہے ہو ہیق؟ بہن کو لے جاؤ نا۔" ممی کچن سے آ کر ہیق کو ڈانٹنے لگیں۔

"فرمائش ہے کیا تمہاری؟" حارث سامنے آ ہی گیا تھا۔

"اس نے مجھے کہا تھا علیزے! کپڑے استری کر دو پھر تمہیں....."

"پاکستانی فلم" گجر پنجاب دا" دکھا کر لاؤں گا۔" رہیق نے بیچ میں سے اس کی بات اچک کر جملہ مکمل کیا۔

"پاگل نہیں ہوں میں۔" علیزے کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"اس نے تو کوئی بھی ایسی شرط نہیں رکھی تھی۔ پھانسی کا پھندا ڈال لوں گی۔ مگر پاکستانی فلم کبھی نہیں دیکھوں گی۔

پچھلے اٹھارہ سال سے وہی 16 سال کی صحت مند اور موٹی موٹی ہیروئنیں اور ہیرو نہ جانے کونسی گھٹی لے کر بڑے ہوتے ہیں کہ ذرا سی شراب پی لیں تو جھومتے رہتے ہیں اور گولیاں سینہ چھلنی کر دیں گی' مگر سینہ تانے کھڑے رہیں گے اور گولیاں بھی سبحان اللہ.....! چلتی ہیں تو گولیاں نہیں نکلتیں بلکہ کمینے کمینے..... کمینے کی آوازیں آتی ہیں۔"

اس کے فلمی تبصرے پر رہیق اور حارث پیٹ تھامے قہقہے لگا رہے تھے۔ آنکھوں کے کنارے نمکین پانیوں سے بھرنے لگے تھے۔

"آج تو پھر ہو ہی جائے پاکستانی فلم۔" حارث نے کہا۔ تو وہ غصہ سے اندر چلی گئی۔ مگر اس کا تبصرہ ابھی بھی دونوں سوچ سوچ کر ہنسے جا رہے تھے۔

اور آخر آج وہ ہار ہی گئی تھی۔ خود سے اپنے اس دل سے اور اس بندے کی پہلی نظر کی محبت سے۔ اس نے اپنی ہار کو تسلیم کر لیا تھا۔ وہ تو بھول بھی گیا ہوگا کہ کبھی کسی لڑکی سے ملا بھی تھا یا نہیں۔ نہ جانے اس نے کتنی لڑکیوں کو نمبر دیا ہوگا۔ مگر میں وہ پہلی بیوقوف لڑکی ہوں گی۔ جو یوں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے فون کروں گی۔

رات بھر ہدیٰ اور خود سے لڑنے کے بعد وہ ہار تو چکی تھی۔ مگر اب پھر اسے مختلف سوچوں نے گھیر رکھا تھا۔

ایک سال' تین ماہ' سترہ دن اور بائیس گھنٹے بعد آج وہ قریبی پی۔سی۔او۔ کا ریسیور تھامے سوچنے میں مشغول تھی۔

"جلدی کرو علیزے! دیر ہو رہی ہے۔" ہدیٰ نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر ہلایا۔ علیزے کی انگلی کریڈل پر ناچنے لگی۔

"ہیلو۔ اسلام وعلیکم۔"

"وعلیکم اسلام۔"

"جی میں علیزے بول رہی ہوں۔"

"آئی ایم سوری!" عبدال نے وضاحت چاہی۔

"آپ ایک شادی میں ملے تھے۔" کسی سے علیزے نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ یوں پہچان کرانی پڑے گی۔ اسے تو یقین تھا جھٹ وہ اسے پہچان لے گا' بے قرار ہو جائے گا' مگر یہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے جذبوں پر اوس پڑ گئی تھی۔

"محترمہ! میں تو بہت سی شادیوں میں گیا ہوں۔" دوسری جانب وہ مزاحیہ ہنسی ہنسا تھا۔

"نہیں۔ کوئی ایک ایسی شادی جس میں آپ کسی سے ملے ہوں اور اسے اپنا نمبر دیا ہو۔" اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ آخر اسے کیا کیا پہچان دے؟ کیا وضاحت کرے؟ جی تو چاہا کے ریسیور کریڈل پر پٹخ دے اور شاید وہ ایسا کرنے ہی والی تھی جب اس کی آواز گونجی۔

"او! وہ... مس کیسی ہیں آپ؟"

"فائن۔ تھینکس! اور آپ؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ آپ سنایئے ابھی بھی وہی ہیں آدم بیزار؟ یا کچھ بدلی ہیں؟"

"معلوم نہیں۔ ویسے لوگ کہتے ہیں کہ کافی بدل گئی ہوں۔"

"آپ سے مل کر ہم کچھ بدل سے گئے
شعر پڑھنے لگے' گنگنانے لگے
پہلے مشہور تھی اپنی سنجیدگی
اب تو جب دیکھیے مسکرانے لگے"

"ویری گڈ! نائس! کافی عرصہ بعد آپ نے یاد کیا؟" وہ جانے شکوہ کر رہا تھا' یا یوں ہی موضوع گفتگو بڑھا رہا تھا۔

"بس ویسے مارکیٹ آئی تھی۔ دل چاہا آپ کو فون کر لوں۔"

"چلیں جی بھلا ہوا اس دل کا، جس نے ہمیں یاد رکھا۔"
اس کا قہقہہ ریسیور میں گونجا۔
"آپ کا اپنا کوئی contact نمبر نہیں ہے؟"
"ہوگا۔ میں فون رکھتی ہوں۔" نمبر مانگنے پر وہ گھبرا گئی تھی۔
"ایسے کیسے؟ مس آپ نے نہ نام بتایا ہے نہ کوئی سیل نمبر سب چھوڑیں۔ مگر کچھ باتیں تو کریں۔" وہ تڑپ اٹھا تھا۔
"پلیز! اپنا نمبر تو دیں؟ میں خود فون کرلوں گا۔"
"سوری! عبدال صاحب! اللہ حافظ۔" بائے کرکے اس نے ٹھک سے فون رکھا تھا۔ شدید گرمی اور گھبراہٹ سے تمام وجود پسینے سے شرابور تھا اور ٹانگیں الگ کانپ رہی تھیں۔
"کیا کہہ رہا تھا؟" باہر نکلیں تو ہدیٰ نے پوچھا۔
"سب تو سنا ہے تم نے۔" دوپٹے کا پلو صحیح کرتے ہوئے بولی۔
"کاش نہ سنتی تو زیادہ بہتر تھا..... ہم یہاں مرے جا رہے تھے۔ ادھر نوابزادے کو یاد ہی نہیں۔ ہوں! کوئی ضرورت نہیں اسے آئندہ کال کرنے کی۔" ہدیٰ بدل ہی گئی تھی۔ شاید اس نے علیزے سے بھی زیادہ ایکسپٹ کیا ہوا تھا۔
اور پھر ایک بار حوصلہ کھل جائے تو یہ بے لگام ہو جاتا ہے۔ ایک بار عبدال سے بات کی تو دل مزید کرنے کو مچلنے لگا۔ اس نے کئی پہرے لگائے دل پر۔ مگر ہمیشہ کی طرح ہار گئی تھی۔ اس نے ایک دو بار اپنے سیل سے اسے مس کال کی تو اس نے فون کھڑکا دیا۔ علیزے کو فون پر پا کر وہ بہت زیادہ خوش تھا۔
اور پھر یہ سلسلہ چلا تو چلتا ہی چلا گیا۔ علیزے کے دن رات یوں بدلتے گئے۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ زندگی کا یہ انوکھا اور حسین روپ اسے بدل رہا تھا۔ اب وہ علیزے مس رہی تھی۔
وہ بدل گئی تھی۔ کل تک صنف مخالف اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ آج اسی صنف کے ایک بندے نے آدم کے بیٹے نے اسے مات دے دی تھی۔ عبدال شیرازی اس کے لیے بہت اہمیت حاصل کر گیا۔ چند پل کی ملاقات علیزے تابش کو اس قدر بدل دے گی۔ یہ بات علیزے کی سوچ سے بھی باہر تھی۔ مگر اب ایسا ہو گیا تھا کہ علیزے دن رات عبدال شیرازی کے خیالوں میں، خوابوں میں اور سوچوں میں کھوئی رہتی تھی۔ عبدال نے کبھی اسے کوئی وعدہ نہیں سونپا تھا۔ کوئی مان نہیں دیا تھا۔ کوئی ایسا جملہ نہیں ادا کیا تھا۔ جس سے وہ کوئی نتیجہ اخذ کرتی۔ مگر پھر بھی وہ بہت آگے نکل چکی تھی۔

"آتا ہے خیالوں میں میرے ایک چہرہ
بس اس کے سوا کچھ بھی مجھے یاد نہیں"

سامنے والے کے بغیر کسی رسپانس کے وہ یکطرفہ محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ وہ علیزے جو خاندان بھر میں مغرور، خودسر اور کھٹور مشہور تھی۔ آج وہ ایک چھوٹی سی ملاقات میں ملنے والے انجانے شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔
آج اگر کوئی سنتا تو یقین ہی نہ کرتا علیزے..... علیزے کو محبت ہو گئی۔ ناممکن بھئی! ناممکن۔ سورج مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے۔ چاند مشرق سے نکل سکتا ہے۔ مگر علیزے کو محبت ناممکن ہے.....!
اور اگر کوئی اس کے اپنے منہ سے سن لیتا، تو ہدیٰ کی طرح اگلے کئی لمحے تک علیزے کی ذہنی حالت پر شبہ رہتا۔
ہدیٰ خوش تھی بہت خوش۔ اس نے اس شخص کو دیکھا تو نہیں تھا۔ مگر اپنا سا لگنے لگا تھا۔ جس نے علیزے کو اس کی دوست کو جیت لیا تھا۔ ایک دو بار وہ خود بھی عبدال سے بات کر چکی تھی اور بہت اچھا لگا تھا اسے عبدال۔ مگر پھر بھی اس نے علیزے کو باز رکھا تھا کہ اتنا آگے مت جائے کہ واپسی کا راستہ نہ مل سکے۔ وہ شخص جتنا بھی اچھا تھا، جیسا بھی تھا۔ مگر اس پر اتنا ایمان لے آنا، عقلمندی نہیں تھی۔ شاید جیسا ہم سوچ رہے ہوں ایسا کچھ ہو ہی نا۔ مگر پھر بھی وہ اس کے لیے دعا گو تھی کہ جس قدر علیزے کے جذبے سچے ہیں خداوند کریم اسے اس کے جذبوں کی اس کی

محبتوں کی مراد دے۔ (آمین)

اور اس روز و شب کے مسلسل بدلنے میں نہ جانے کتنے دن گزر گئے۔ اسے کسی بھی بات کا ہوش نہیں تھا۔ فیضان بھائی کی شرط کے مطابق شادی ہوگئی۔ بھابھی گھر میں بھی آگئی۔ مگر اسے کچھ ہوش ہی کب تھا۔ اسے معلوم تھا تو بس اتنا کہ عبدال اور وہ بس اس دنیا میں جی رہے ہیں۔

بھابھی ان کی دنیا میں ایک نیا اور خوبصورت اضافہ تھیں۔ بالکل بڑی بہنوں کی طرح۔ ڈیڈی کے کسی فرینڈ کی بیٹی جو کسی فنکشن یا پھر بزنس ڈیلنگ میں بھیا پر دل ہار بیٹھی تھیں۔ جو زیادہ ایڈوانس تو نہ تھی۔ مگر اتنی بیک ورڈ بھی نہیں تھیں۔ اور پھر جو چیز آپ کو پیاری ہو۔ اس سے وابستہ ہر چیز عزیز ہو جاتی ہے۔ اور ذمہ داری کی بات ہی تھی کہ بھابھی بہت جلد اور احسن طریقے سے گھر کا حصہ بن گئیں تھیں۔ ہر ایک کے لیے لازم و ملزوم۔ ہدیٰ اس کی ایک ہی مگر بہت اچھی دوست تھی۔ اسے دوست کی ضرورت تو ویسے ہی نہیں تھی۔ ہاں البتہ بھابھی اس کے لیے ایک بڑی بہن ثابت ہوئیں تھیں۔

ان سے ناز اٹھوانے اور نخرے دکھانے کا سپنا خوب پورا ہو رہا تھا۔ بھیا نے سب باتیں انہیں بتا دی تھیں جنہیں سن کر وہ بہت محظوظ ہوئیں تھیں اور ان ہی باتوں کو گرہ میں باندھ کر وہ دل و جان سے سب کی خدمتوں میں جتی ہوتی تھیں۔

کھانا پکانا، کسی کھیل میں ایک بندے کی کمی کو پورا کرنا، گھومنا پھرنا اور ساتھ ساتھ شوہر کی ذمہ داریاں، سب کچھ وہ کیسے کر لیتی تھیں؟ علیزے کی سمجھ سے باہر تھا۔ اور اسے سمجھنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔

"علیزے! کیا بات ہے؟ میں تمہیں صبح سے کافی پریشان دیکھ رہی ہوں۔" بھابھی نے جانے کہاں سے اس کا دل پڑھ لیا تھا۔

"نہیں تو بھابھی! ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" یکدم دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"ارے یہ! میرے سوکس کہاں ہیں؟ بھئی! جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"آئی۔" بھابھی اس کی ہتھیلی کی پشت پر اپنا تسلی بھرا ہاتھ دھر کر کمرے کی طرف بھاگی تھیں اور بھیا کی اس وقت کی سدا نے اسے بچا لیا تھا۔ وہ اللہ کی شکر گزار تھی۔ ورنہ شاید وہ بھابھی کو سب کچھ بتا دیتی.....

"یہ کیا بے تکا پن ہے؟ اس کا جب ایک بار منع کر دیا تو اور پھر یہ ممکن ہی کب ہے۔" اگلے لمحے وہ ہدیٰ کے سامنے موجود تھی۔ ہدیٰ جو اس کی جان تھی، اس کی غمخوار جس کے بغیر اس کی صبح نہیں ہوتی تھی۔ جن کو ان کے والدین دیکھتے تو شک میں پڑ جاتے تھے کہ آخر ہم نے کونسی بیٹی کو جنم دیا ہے اور کونسی بچی ہماری ہے۔ آج کل کے دور میں اتنی محبت سگے بہن بھائیوں میں نہیں تھی۔ جتنی ان دونوں میں تھی۔

"یہی تو مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ ہدیٰ! اب میں کیا کروں؟"

"سر پیٹو اپنا۔ آخر اتنا فری کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ مانو اب اس کی یہ فرمائش۔ ملو جا کر اسے کسی فائیو اسٹار، کسی سیون اسٹار ہوٹل میں یا کسی پارک میں جاؤ۔"

"ہدیٰ! پلیز! تم تو ایسا مت کہو۔ مدد کرو میری کچھ۔" وہ اتنی جاہت سے بولی کہ ہدیٰ کی زبان کو بریک لگ گئی۔

"سمجھاؤ اسے۔ بتاؤ کہ ہماری فیملی میں یہ سب ممکن نہیں ہے اور نہ ہمارا معاشرہ ہمیں اس بات کی اجازت دیتا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس بات کی بھی تو اجازت نہیں دیتا کہ یوں سیل فونز پر انجان لوگوں سے سلسلے بڑھائیں۔ اس نے آگے سے یہ کہہ دیا تو کیا ہوتا؟ کیا بولو گی میں؟ یہ سب تمہیں پہلے سوچنا تھا نا۔"

"ہاں سوچنا بھی مجھے ہی تھا۔ اور تم جو جب سے میرے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔" علیزے کو بھی اب غصہ آ گیا تھا۔

"ہاں تو میں بھی کوئی شریف بندہ ہوگا۔ اب ایسا بھی کیا جو بات کریں تو ہفتے گزار دیں اور غائب ہوں تو دنوں پتہ نہیں چلتا۔ بتاتا ہے تمہیں کہ کیوں کر بیچ میں سے غائب ہو جاتا ہے؟ اور پھر کس طرح حاضر ہو جاتا ہے؟"

بڑی ہو جاتا ہے وہ بزنس میں۔"

"کیا کیا بزنس ہے کہ ایک مس کال کے بدلے مس کال نہ کر سکے؟"

"اچھا چھوڑو نا اس بات کو۔ اصل مسئلہ سناؤ۔" عجیب کشمکش کا شکار تھی وہ۔ پہلے ہی وہ تو مسلسل ضمیر کے کچوکے سہہ رہی تھی۔ دل و دماغ کی جنگ میں گرفتار تھی۔ ماں باپ کا اعتبار، بھائیوں کا اعتماد، ان اور اپنی ذات کا بھرم وہ کس طرح کھو رہی تھی۔ ایک انجان لڑکے سے اس حد تک لگاؤ۔ سب گھر والوں کو دھوکہ ہی تو دینا تھا۔ اگر انہیں پتہ چلتا تو کیا ہوتا ان کا؟ وہ تو جیتے جی مر جاتے۔

اور اب کچھ دنوں سے یہ نئی فرمائش۔ مگر اب وہ یہ بات بھی پوری نہیں کر سکتی تھی۔ اب وہ ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے۔ اس کی ناراضگی اسے قبول تھی۔ مگر ملنا ناممکن تھا۔

بہت سوچ بچار اور باہمی فیصلے کے نتیجے میں اس نے sms لکھ بھیجا تھا۔ جس کا وہاں سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ اس نے جواب کے لیے ایک دو مس کال اور sms بھیجے۔ مگر کوئی رسپانس نہ پا کر اس کی بے چینی انتہا منتہا آئی تھی۔ "میں بھی کوئی مری نہیں جا رہی۔" اس نے فون بیڈ کے دوسرے سرے پر پھینک دیا۔

"یہ ہم کس ساحل پر اترے خوشبوؤں کے سنگ
نہیں تو واپس جانے والے رستے بھول گئے"

جب وہ اس مقام پر پہنچ گئی تو نجانے کیوں؟ اس کی عقل کی دیا چکولے کھانے لگی تھی۔ جانے کس بدنظر کی نظر اس کی خوشیوں کو کھا گئی تھی۔ ہفتے بعد اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے عبدال کو فون کیا۔ مگر دوسری جانب اس کا موبائل آف ملا اور پھر کتنے ہفتے گزر گئے۔ فون ملا ملا کر تھک گئی۔ مگر عبدال کا نمبر نہ ملا۔

کیا ہو گیا تھا یہ اچانک؟ علیزے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس سے کون سی بڑی خطا تو نہیں کی تھی۔ جس کی سزا اس نے بے مروت میں دی تھی۔ پریشان تھی وہ حیران تھی۔ آخر یہ کیسے تھی آسانی سے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ بغیر کچھ کہے بغیر کچھ سنے۔ دن گزرتے رہے اور ہفتوں میں بدل کر مہینے بنے اور مہینوں سے پھر سال۔ مگر علیزے کے اندر ایک خاموشی اتارتے چلے گئے۔ ایک مکمل اور جامد خاموشی۔

ہدیٰ علیزے کی حالت دیکھتی تو کڑھتی تھی کہ اس کو اس دکھ بھرے سمندر اور تپتے صحرا میں لا کر کھڑا کرنے والی وہی تو تھی۔ نہ وہ اتنی ضد کرتی اور نہ ہی علیزے اس مقام تک پہنچتی۔ ہدیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو اپنے دوست کے لیے کہاں سے لے آئے۔ وہ عبدال شیرازی کو جتنی بددعائیں دیتی کم تھا۔ جس نے کتنی آسانی سے اس سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اس کی اتنی معصوم اور اچھی دوست کے دل سے کھیل گیا تھا۔

"کیا ملے گا تمہیں عبدال؟ یہ شاید تمہارا مشغلہ تھا۔ مگر میری دوست کو تو تم نے جیتے جی مار دیا نا۔ اسے تباہ کر دیا نا۔ اللہ تمہیں سمجھے گا۔" اور پھر گھر میں ایک گرما گرم بحث شروع ہو گئی تھی۔ علیزے کی شادی کا مسئلہ آج کل گھر میں ایک اہم ٹوپک بنا ہوا تھا۔ مگر وہ خاموش تھی۔ ہدیٰ نے کئی بار اسے کہا کہ میں آنٹی سے بات کرتی ہوں۔ مگر علیزے نے چپ کرا دیا کہ کس بنیاد پر وہ عبدال کا مسئلہ سامنے رکھتی؟ تھا ہی کیا اس کے پاس؟ چند باتیں، کچھ sms اور ایک فون نمبر، جس کی بناء پر وہ تو اپنا بھرم کھو چکی تھی۔ ماں باپ کا مان بھی کھو دیتی۔

اور آج اس کے ہاتھ کی انگلی میں کسی اور کے نام کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ وہ کتنی آسانی سے کسی اور کو سونپ دی گئی تھی۔ اس رات وہ اتنا روئی، اتنا روئی کہ ہدیٰ کا کندھا اس کے آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ وہ انگوٹھی کو دیکھتی جاتی تھی اور روتی جاتی تھی۔

اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب اس کے ہاتھوں پر کسی اور کے نام کی مہندی لگائی گئی۔ وہ بھی سنوری اس نے ہر طرح کا سنگھار کیا۔ نکاح نامہ پر دستخط کیے۔ مگر کسی اور کے لیے کسی اور کے نام کے حوالے سے۔ ان سب کا تو (عادی) اس کا عبدال حقدار تھا۔ کسی اور نے اسے کیسے چرا لیا؟ اور

کون آ گیا تھا عادی کی جگہ؟ اور اس کا عادی کہاں گیا؟ کہاں کھو گیا تھا وہ جس کے ساتھ اس نے زندگی بتانے کے سپنے دیکھے تھے؟

جہازی سائز بیڈ پر وہ سجی ہوئی سیج کے درمیان گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ کمرے میں گلاب اور موتیے کے پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان دلفریب اور جذباتی ماحول کے باوجود اپنے ہمسفر کا انتظار نہیں تھا۔ حالانکہ ہدیٰ نے اس کی بہت تعریفیں کی تھیں۔ اسے بتایا تھا کہ اس کا جیون ساتھی کتنا حسین ہے۔ شاید وہ علیزے کو نئی آنے والی زندگی کے لیے کنوینس کر رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن عبدال کے علاوہ کچھ اور سوچتا تو کچھ ہوتا نا۔

"عادی! کہاں ہو تم؟ کہاں ہو تم.....؟!! عادی! کہاں ہو؟ دیکھو نا میں کتنی آسانی سے کسی اور کی ہو گئی۔ عادی! جینے مرنے کے تو میں نے تمہارے ساتھ سپنے دیکھے تھے۔ پھر یہ کیا ہو گیا؟ کیا ہو گیا یہ؟ عادی! ان سب پلوں کے میں نے سپنے دیکھے تھے۔ مگر تمہارے حوالے سے عادی! بیشک تم نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر میں..... میں تو اس مقام تک آ گئی تھی کہ تمہارے بغیر کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"ہائے.....! عادی! ہائے.....! یہ کیا لکھ لیا میں نے اپنی تقدیر میں؟ کتنی سہل تھی میری زندگی اور اب مجھے کانٹوں پر بسر کرنی پڑے گی۔ مگر اس میں تمہارا کیا دوش؟ یہ سب تو میں نے خود چنا ہے اپنے لیے۔ آخر مجھے کچھ تو سزا ملنی چاہیے نا اس خطا کی؟ اور کتنی غلط سزا ہے یہ عبدال! کہ میں ہوں کسی اور کی۔ اور میرا من تمہارا۔ میری آنکھیں صبح شام کسی اور کو دیکھیں گی اور رات کی تاریکی میں تمہارے سپنے کیونکہ میں نے جو جذبے صدیوں سے اپنے ہمسفر کے لیے چھپا کر رکھے تھے۔ وہ تو انجانے میں میں تمہیں سونپ چکی ہوں۔ وہ سب جذبے وہ جاتیں تو تمہارے نام ہو گئیں۔ اب میں اس شخص کو کیا دے سکوں گی۔ میرے پاس تو اب کچھ بھی نہیں ہے۔ میں بالکل خالی دامن ہوں عادی!

"ہاہ..... آ..... آ..... آ" ایک کراہ اس کے دل سے نکل کر منہ سے ادا ہوئی تھی۔ اب علیزے تابش بھی ایک مناقق ہو گئی۔ اب وہ منافقت بھری زندگی بسر کرے گی۔ کتنی مشکل اور دشوار زندگی ہے یہ۔ کاش اس سے پہلے ہی میں مر جاتی۔ کاش عادی!" وہ کسی کی سیج سجائے بھی عادی کی یادوں کی محفل سجائے بیٹھی تھی۔

مجھے عبدال شیرازی کہتے ہیں۔ میرا گھرانا چھ افراد پر مشتمل ہے۔ پاپا، ممبا، چار ہم بہن بھائی۔ پہلے سب سے بڑا میں، مجھ سے چھوٹی میری بہن منزہ، پھر چھوٹا بھائی حمزہ اور اس سے چھوٹی آصفی۔ اور والدین کی بڑی اولاد ہونے کے ناطے مجھ پر ان لوگوں کی خواہشات ان کے سپنوں اور ان کی خوشیوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری کا احساس مجھے نوعمری میں ہی ہو گیا تھا۔

میں شروع سے ہی بہت حساس اور ذمہ دار شخصیت کا مالک رہا ہوں۔ شاید خدا گھر کے بڑے اور سربراہ کی مٹی میں ایسا خمیر شامل کر دیتا ہے کہ انہیں اپنی ذمہ داریوں سے آگہی رہتی ہے اور اگر اس میں ماں باپ، بہن بھائیوں کی توجہ اور دعا میں شامل ہوں تو خدا ایسے تمام امتحانات میں سرخرو کرتا ہے۔

میں گھر بھر کا لاڈلا اور چہیتا ہوں اور پاپا سے میرا ایک خاص تعلق ہے۔ پپا میرے بہت اچھے فرینڈ ہیں۔ ان کے سامنے میں اور میرا من ایک شفاف آئینہ ہے اور میری سنسیلٹی کو اس حد تک بنانے اور مجھے معاشرے میں ایک اہم مقام دلانے میں ان کا اہم کردار تھا۔ اور جب ماں باپ اپنی اولاد کے لیے اتنا کچھ کرتے ہیں تو لاشعوری طور پر وہ اولاد سے بھی ایسی ہی امید رکھتے ہیں اور میں اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے دل و جان سے خود کو ان کی امیدوں اور تمناؤں کا پابند سمجھتا تھا۔

مگر اس تابعداری میں مجھے اپنی زندگی کے اس اہم فیصلے میں بھی مجھے خاموش رہنا پڑے گا۔ کاش یہ میں پہلے ہی جان جاتا تو آج یوں میں بزدلی سے باہر نہ بیٹھتا۔ یوں کشمکش و پیچ میں مبتلا نہ ہوتا۔ آج میری زندگی کا سب

سے اہم دن ہے۔ آج میری زندگی کی نئی شروعات کا آغاز ہونے والا ہے۔ مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ لڑکی جو شرما جوڑے میں بھی سنوری میرے کمرے میں میرا انتظار کر رہی ہے۔ آئندہ زندگی کے سپنے اپنی پلکوں میں سجا رہی ہے۔ بہت سے آنے والے حسین لمحات نگاہوں میں سجائے کہیں زیادہ خوش میں اسے اپنے ساتھ کا مان دے سکوں۔ اسے ساری زندگی خوش رکھنے کے لیے اس سے عہد و پیماں کر سکوں۔

نہیں کر سکتا میں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت کہ اسے کچھ کہہ سکوں۔ اس سے جھوٹے وعدے کر سکوں۔ اور کس طرح آخر کس طرح میں ایسا کر سکتا ہوں؟ جب کہ میرے دل میں' میری دھڑکنوں میں' میری سانسوں میں کسی اور کا نام لکھا ہے۔ میری سوچوں میں' میرے خیالات میں کسی اور کی چاہت گھوم رہی ہے۔ میری آرزوئیں تو کسی اور سے وابستہ ہیں۔ میری تو نس نس میں وہ بسی تھی۔

وہ جسے میں نے اپنے اک دوست کی شادی میں دیکھا تھا۔ جسے دیکھ کر دل نے جو بلا کا ادھم مچایا تھا۔ وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ ایک مشکل امر تھا۔ نہ جانے کیا تھا اس میں؟ حالانکہ اتنی گیدرنگ میں بھی اس کے چہرے پر بیزاری اور کوفت طاری تھی۔ مگر اس دل کو جانے اس میں کیا نظر آیا تھا کہ مر مٹا اس پر اور میں کہ جسے خود پر بڑا بھروسہ تھا۔ اپنی شخصیت پر بڑا غرور تھا۔ اس کی بھولی سی شکل سے ہار گیا تھا۔

اور پھر ایسا بھی ہوا کہ میں عبدال شیرازی لوگوں کے ایک ہجوم کے باوجود بغیر کسی خوف کے اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔ اس وقت ذہن یوں مقید تھا کہ اتنا بھی نہ سوچ سکا کہ میرا ایک اسٹیٹس ہے۔ لوگوں میں اس لڑکی کی عزت ہے۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟ مجھے کسی بھی بات کا کوئی ڈر نہیں تھا۔ اور پھر آخر میں بہت تگ و دو کے بعد اسے اپنا نمبر دینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ مگر تین دن' تین رات کے مسلسل انتظار کے بعد کوئی رسپانس نہ پا کر دیوانوں کی طرح میں سڑکوں پر نکل کھڑا ہوا تھا۔ میری گاڑی کئی دن تک اس کی تلاش میں پیٹرول پھونکتی رہی تھی۔

مجھے بزنس اور نہ ہی کھانے پینے کا ہوش تھا۔ ان دنوں میں اپنی ساری ذمہ داریاں بھول گیا تھا۔ ہوش تھا تو صرف اتنا کہ ہر موڑ پر' گلی اور سڑک پر' گھر میں اور گھر کی ایک ایک چیز میں وہ نظر آتی تھی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس کا بھی میرے جیسا ہی حال ہے یا نہیں میں مکمل طور پر دل کے قبضے میں تھا۔ میں کہ جسے اس کا نام تک نہیں پتا تھا اس کی یاد میں اور خیال میں اس حد تک کھو گیا تھا کہ کوئی سنتا تو میرا خوب مذاق اڑایا جاتا۔ سب سے پہلے تو میرے دوست احباب مجھے پاگل قرار دے دیتے۔ اس کے بعد میرا وہ حال کرتے کہ میں خود بھی سوچ نہیں سکتا۔

اور پھر کئی دن کی خواری اور در در کی خاک چھاننے کے بعد آخر میں حقیقت کی دنیا میں لوٹ ہی آیا۔ اور جب مجھے اس دنیا سے مانوس ہوئے کافی دن گزر گئے۔ میری ساری اُمیدیں دم توڑ گئیں اور یقیناً تو نہیں شاید میں تھوڑا تھوڑا اُسے بھولنے بھی لگا تھا کہ اچانک ایک دن میرا سیل فون بجا اور اس سے میرے کانوں نے جو آواز سنی' جس کا مجھے یقین تک نہ تھا۔

آج پورے ایک سال اور تین ماہ بعد وہ مجھ سے مخاطب تھی۔ وہی جس کے پانے کے لیے میں نے اس ذات پاک سے ہر نماز میں دعائیں کی تھیں۔ شب معراج' شب برات' شب قدر اور ہر وہ رات جس میں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے اسے رب سے مانگا تھا اور وہ آج مجھ سے بات کر رہی تھی۔ مجھ سے مخاطب تھی۔ اپنا تعارف کرا رہی تھی۔ اور میں کہ دیکھو فائلز میں گھرا اسے پہچان ہی نہ سکا۔ جو شاید میری رگ میں خون کی جگہ بہہ رہی تھی۔

اور وہ شاید مجھ سے زیادہ بے چین تھی۔ رابطے کے بعد جو سلسلہ نکلا تو اس کی ہر ہر بات اس بات کا واضح نشان تھی۔ مجھے اس کی بے چینی اور بے قراری سے بہت لطف

محسوس ہوتا تھا۔ وہ فون' مس کال کرتی' sms۔ مجھے اسے تنگ کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔ اکثر میں اس کے کئی sms کا جواب نہ دیتا تو محبت سے بھرپور شکایت بھرا میسج مجھے موصول ہوتا۔ کبھی میں مصروفیت کا بہانہ کر دیتا اور کبھی جواب بھی نہ دیتا تو میرے سیل فون کی ٹون بج اٹھتی۔ میرا فون بیڈ پر میرے پہلو میں پڑا مچلتا رہتا اور میں ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اسے دیکھتا رہتا۔ مجھے آخر میں شکوے سے بھرپور sms موصول ہوتا۔ اور ادھر خاموشی چھا جاتی۔ مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔ میں خود کو بہت خوش نصیب تصور کر رہا تھا۔ ہمارے درمیان یہ نوک جھونک مسلسل چل رہی تھی۔ میں کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھا کہ اسے خوب ستانے کے بعد اپنے جذبوں سے آگاہ کر دوں گا۔ اسے بتاؤں گا کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہو سکا۔

میری خوشیوں کو جانے کس کی نظر لگ گئی کہ میں ایک کڑے امتحان میں گھر گیا۔ کانٹوں سے بھری اس راہ پر چلنا میرا مقدر بن گیا تھا کہ میرے پپا' میرے دوست میرے سامنے کھڑے تھے۔ اپنی ساری زندگی کی عنایتوں کا صلہ لینے کے لیے۔ اور میں جو کب سے خود کو اس بات کے لیے تیار کرتا آیا تھا کہ اگلا لمحہ نہیں لگاؤں گا اور جھٹ سے ان کے حکم پر سر تسلیم خم کر دوں گا۔ ایک دم سکتے میں آ گیا۔

اور مجھے اندازہ کب تھا کہ وہ مجھ سے اس طرح کا امتحان بھی لے سکتے ہیں؟ میں کتنا پُرسکون تھا' کتنا مطمئن تھا اور اب۔۔۔ اس اک پل میں میرے دل نے مضطرب ہو کر تڑپنا شروع کر دیا تھا۔ میرے اندر کہرام ایک آہ و بکا تھی۔ سینے میں تیکھی آہٹیں' تڑپتی سسکیاں' مجھ سے کیا امتحان لیا جا رہا تھا۔ مجھ سے میری منزل چھینی جا رہی تھی۔ میرا دامن جو بھرا پُرا خوشیوں سے بھرا تھا کسی نے یکدم پکڑ کر فضاء میں جھٹک دیا تھا۔ میری خوشیاں ادھر اُدھر بکھری سسک رہی تھیں اور میں حیران و پریشان کھڑا ان کا ماتم دیکھ رہا تھا۔

اور شاید اب سے پہلے میں مان بھی جاتا۔ مگر اب تو مجھ سے کوئی اور بھی وابستہ تھا۔ کوئی مجھ سے بہت سی اُمیدیں لگائے بیٹھا تھا۔ بیشک علیزے نے خود سے کچھ نہیں کہا تھا مگر میں جانتا تھا۔ اور وہ محبت ہی کیا جو لفظوں کی محتاج رہی ہو۔ علیزے میری چاہت تھی۔ میری محبت تو پھر میں ایسا کیسے کر سکتا تھا۔

ایک لمحے کو میرا من چاہا کہ میں اپنی ساری زندگی کی تابعداری کے بدلے میں پپا سے علیزے کو مانگ لوں۔ مگر میں ایسا نہ کر سکا اور شاید اس وقت میں ایسا کر لیتا تو آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

مگر اس وقت جو بدلے اور دیوانے پن کا جو خناس میرے اس ذہن میں تھا۔ اس نے میرے سوچنے اور سمجھنے کی قوت کو ساکت کر دیا تھا۔ ورنہ اگر میں چاہتا تو فاطمہ کی جگہ علیزے کو بھی سامنے رکھ سکتا تھا۔ مگر میں تو بچپن سے ہی خود کو ان کی ہر خواہش کا پابند سمجھتا آیا تھا تو اس بار بھی میرا دل پپا کو دُکھ پہنچانے پر راضی نہ ہو سکا اور چُپ چاپ فاطمہ سے منگنی کر لی۔

علیزے میرے لیے پرائی ہو گئی۔ مجھے اسے بھولنا تھا۔ اس سے ناتا توڑنا تھا جو شاید میں نہ کر پاتا اور کیسے کر پاتا آخر؟ میں کیسے اُسے بتاتا کہ میں کسی اور کا ہو گیا ہوں؟ میری زندگی اب کسی اور کے ساتھ منسوب ہو گئی ہے؟ میں جو کہ خود کو بہت بہادر سمجھتا تھا۔ ایک لڑکی کو یہ خبر نہیں دے سکتا تھا۔ بات صرف لڑکی کی نہیں تھی۔ وہاں تو ایک سمندر تھا' چاہت' محبت' یقین' مان اور سچ پوچھیں تو دیوانگی اور پاگل پن کا اور مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا رُخ موڑ سکوں۔ اسے روک سکوں۔

سو میں نے بالکل خاموشی سے چُپ سادھ لی۔ اور میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ سوائے اس کے کہ سامنے سر جھکا کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور اسے کہتا کہ میں بزدل ہوں؟ یا میں اپنی تابعداری کے بھرم میں تم سے کنارہ کشی کرنے پر مجبور ہوں؟

مجبور۔۔۔ آہ۔۔۔ ہا! کتنا چھوٹا لگتا تھا آج سے پہلے یہ

لفظ اور آج میں اس لفظ کے سامنے کتنا چھوٹا ہو گیا تھا۔

مجھے نہیں معلوم اس کا حال کیا ہوگا؟ مگر میں اسے مزید کسی دھوکے میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے مزید آگے بڑھنے سے روکنا چاہتا تھا اور اس کے دل کو اور اس کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے یہی بہتر تھا کہ میں اپنی سمت بدل لوں اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ اور یہ سب کر کے میں مطمئن نہیں تھا۔ بے دھیانی میں میں تین زندگیاں تباہ کر رہا تھا۔ چلو اپنی زندگی کا تو حق ہے مجھے۔ مگر علیزے اور فاطمہ ان کا کیا قصور تھا؟

اب میں نئی زندگی جی رہا تھا۔ میرے والدین، بہن بھائی میرے اس فیصلے سے خوش تھے۔ اور میں اپنے اندرونی خلفشار کو حتی الامکان چھپا کر خود کو خوش پوز کر رہا تھا۔ فاطمہ شاید مجھ سے بہت سی اُمیدیں رکھتی تھی۔ مگر میں اسے کچھ بھی نہ دے سکا۔ اور میں کسی اور کو دے بھی کیسے سکتا تھا؟ سب کچھ آخر علیزے کا جو تھا اور وہ سب تو میں نے لوگوں کی نظروں سے چھپا کر اپنے دل کے ایک بلند اور اعلیٰ مقام پر چھپا کر رکھ دیا تھا۔ جسے میں ہر رات گہری سیاہ رات کی خاموشی میں پوجتا تھا، اس کو سجاتا تھا، اس کو سنوارتا تھا۔

میری تو شدید خواہش ہوتی تھی کہ صبح کا سورج کبھی طلوع ہی نہ ہو۔ وہ سورج جس کی تیز اور چبھتی ہوئی روشنی میرے لیے ایک اذیت اور درد کی سوغات لے کر نمودار ہوتی تھی۔

اور آج یہ کیسی گھڑی تھی کہ میں جو طلوع صبح سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا۔ آج اس رات سے شاکی کیوں تھا۔ یہ رات جس کا ہر فرد خواہش مند ہوتا ہے۔ اس انوکھی اور دلفریب رات کے کتنے لوگ آرزومند ہوتے ہیں اور کبھی میں بھی تو اس کا دیوانہ تھا۔

میں نے بھی تو کیسے کیسے خواب بُنے تھے اس لڑکی کے ساتھ۔ جس نے ایک پل لگایا تھا مجھ جیسے بندے کو جھنجھوڑنے میں۔ میں آج جب کسی اور کے ساتھ کا سائن کر چکا ہوں۔ آج بھی اسے ہی سوچ رہا ہوں کاش علیزے تابش! تم میری زندگی میں آتی ہی نہ تو کتنا اچھا ہوتا۔ کتنی اچھی اور مطمئن زندگی تھی میری۔ مگر تم نے یکدم سے آ کر شور برپا کر دیا۔

کیا ہو گئی تھی یہ میری زندگی؟ آخر کیا؟ کوئی اور مجھے لاکھ قسمیں کھا کر بھی اپنی ایسی آپ بیتی بتاتا تو میرے لیے یقین کرنا ممکن نہ ہوتا۔ بلکہ فخر سے کہتا۔

آہ.... ہا....! میں نے مانا کہ کوئی انسان اتنا بھی بے بس ہو سکتا ہے۔ مگر آج جب اپنی زندگی پر غور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کیا ہے میری زندگی؟ ایک ناسمجھ آنے والی داستان، ایک مکمل مگر ادھوری کہانی، ایک اُلجھی ریشم جسے سلجھانے بیٹھوں تو کوئی سرا نہ ملے۔

"یا خدا.....!" میں نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں سر پکڑ کر بال بھینچ ڈالے۔ کتنا بے بس تھا آج میں عبدال شیرازی آج حوصلہ ہارے بیٹھا تھا۔۔ میں کس قدر خوفزدہ تھا اس حسین او خوابناک رات سے۔ اس رات سے جو آج مجھے بھیانک اور ڈراؤنی رات لگ رہی تھی۔ جو اپنے گہرے سیاہ لمبے بال پھیلائے، اپنے نوک دار لال ناخن لیے اور خون آشام آنکھیں نکالے مجھے ہڑپ لینے کے لیے تیار تھی۔

اور اپنی پوری رُوداد میں ایک بات تو میں آپ کو بتانا ہی بھول گیا۔ وہ لڑکی جو اندر بیٹھی ہے نا جانتے ہیں۔ وہ فاطمہ نہیں ہے۔ آپ بھی آ گئے نا سکتے میں؟ ہاں جناب وہ فاطمہ نہیں ہے وہی فاطمہ میری خالہ زاد جو کچھ عرصہ میری منگیتر ہونے کا شرف بھی حاصل کر چکی ہیں۔ مگر وہ میری شریک حیات نہ بن سکیں۔ ظاہری بات ہے آخر ہر کسی کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینے کا حق رہا ہے اور فاطمہ کی مرضی مجھ میں نہیں تھی۔ فاطمہ اپنے کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹیڈ تھی۔ والدین کے دباؤ میں آ کر اس نے مجھ سے منگنی کر تو لی مگر نباہ نہ سکی۔

ہر کوئی عبدال شیرازی تو نہیں ہوتا نا۔ بزدل اور ڈرپوک واقعی ہر کسی کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینے کا حق ہے۔ مجھے بھی تھا۔ مگر میں اپنی بزدلی سے اس حق سے دستبردار ہو

گیا۔ کتنی اچھی رہیں نا تم فاطمہ! جو کم از کم اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے میں تو خود مختار رہیں۔ تم عبدال شیرازی علیزے کے عادی کی طرح بزدل نہیں نکلیں۔ کاش میرا پروردگار مجھے بھی اتنا ہی حوصلہ نواز دیتا۔ تو آج میں.... کاش.... کاش اور میں کاش۔ یہی رہ گیا تھا میری زندگی میں اس سے پہلے کی زندگی کے واقعات کسی کتاب کے ورقوں کی طرح پلٹ گئے تھے۔ جو پھر سے واپس ہونے کو تیار نہ تھے۔

فاطمہ کی سرپھری اور منگنی توڑنے کی اطلاع مجھے ملائیشیا میں ملی تھی۔ جہاں میں بزنس کے سلسلے میں رُکا ہوا تھا اور ساتھ یہ میسج بھی ملا تھا کہ ”تمہارے آنے تک ہم دوسری لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔ آجاؤ تو آتے ہی شادی کر دیں۔ اور لڑکی ڈھونڈنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔“

فاطمہ کے والد یعنی میرے خالو کا فون بھی مجھے موصول ہوا۔ جس میں انہوں نے مجھ سے روتے ہوئے اور فاطمہ کو کوستے ہوئے معذرت کی تھی۔ مگر میں خوش تھا فاطمہ کے اس اقدام سے مجھے خوشی تھی، میں نا سہی آخر کوئی تو اتنی ہمت رکھتا ہی تھا اور دوسری وجہ یہ بھی کہ فاطمہ نے مجھے ایک زندگی تباہ کرنے سے بچا لیا تھا۔ کچھ پل تو سہی مگر میرے اندر سکون سا اتر گیا تھا۔ مگر اب میں پھر سے مضطرب تھا۔ نہ جانے اب کس بیل کو مجھ جیسے کھونٹے سے باندھا جا رہا تھا۔ من چاہا کہ اب بس روک دوں گھر والوں کو کہ اب بس کیجیے مت کیجیے مجھ پر اب مزید ظلم نہیں ہے۔ مجھ میں اب سکت اور کیوں کسی دوسرے کی زندگی تباہ کرنے کا مجھے پر مژدہ سناتے ہو۔ بس کرو اب بس۔ خدا کے واسطے اب کچھ نہیں رہا۔ میرے اس دامن میں جو میں کسی اور کو دے سکوں۔ ایک بار جھانک کر تو دیکھو میرے اس گہرے دامن میں۔ جو بس ایک ہی جھٹکے میں خالی ہو گیا۔ اور جانے کب سے آسمان پر نظریں ٹکائے اس سوہنے رب سے خوشیوں کا، رحم کا اور خوشحال زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے۔

جانے انجانے میں کیا خطا کر بیٹھا تھا میں؟ جو آج اتنی بڑی سزا بھگت رہا تھا۔ اور سچ میں نے دل دُکھانے اور دوسروں کو آزمانے کے سوا کیا ہی کیا ہے؟ پہلے تفریح تفریح میں علیزے کے دل سے کھیلتا رہا، اسے ستاتا رہا۔ پھر فاطمہ کو انتظار کی گھڑیاں سونپ دیں اور پھر سے علیزے کو بیچ منجدھار میں لا کر ڈوبنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اور پھر بھی معصومیت سے پوچھ رہا ہوں کہ خطا کیا ہے میری؟

یہ سب اپنی جگہ مگر میرے ساتھ کونسا اچھا ہوا تھا۔ میں بھی تو دن رات کانٹوں پر گھسیٹا گیا ہوں۔ میں نے بھی سلگتی آگ پر دن گزارے ہیں۔ میں نے بس خوشیوں کا در بند ہوتا دیکھا تھا۔ جواب تک نہیں کھلا تھا۔ میرے ساتھ کیا اچھا ہوا تھا۔ اگر میں کسی کا دل دُکھانے کا خطاوار ہوا تھا تو اس سے کہیں زیادہ سزا بھگتی تھی میں نے۔

اس بار پھر قدرت مجھ پر مہربان ہوئی تھی۔ ایک بار پھر مجھے خوشیوں کا جلوہ دکھا کر کہیں غائب ہو گئی تھی۔ جاننا چاہیں گے کب.....؟ جب مجھے اطلاع ملی کہ فاطمہ سے منگنی ختم ہو گئی ہے۔ اور دوسری لڑکی کی تلاش شروع کر دی گئی ہے۔ اس وقت مجھے اپنی قسمت پر اور خود پر ہنسی تو خوب آئی۔ بے تحاشہ اور خود ساختہ ہنسی۔ مگر دل نے مچل کے علیزے کا نام لیا تھا۔

کیا ہوتا ہے یہ گوشت کا لوتھڑا بھی جتنی ٹھوکریں کھالے، جتنے دُکھ اٹھالے دھڑکنا یاد رکھتا ہے اور اس بار پھر روز اوّل کی طرح اس نے دھڑک کر علیزے کی چاہ کی تھی۔ مگر میں نے اب اسے یہیں روک دیا تھا۔ آخر میں اب کس منہ سے پھر اس کے در پر جاتا۔ اس سے پھر رابطہ کرتا اور کہتا بھی کیا؟ ایسے سوال ہوتے اس کے پاس۔ کس کس کا جواب دے پاتا؟ اور اب تو مجھے اتنی خوش فہمی بھی نہیں تھی کہ وہ بھی کبھی ساعت رحمت میں مجھے رب سے مانگتی ہوگی اور اب تو مجھے یہ سراسر اپنا

دیوانہ پن ہی لگتا ہے۔ ورنہ ہم دونوں کے سچے جذبے ہوتے تو جدائی ممکن ہی کب تھی۔ دونوں میں سے تو کسی ایک کے جذبے میں کھوٹ تھا یا وہ صرف مجھ سے دل لگی کر رہی ہو۔ صرف ایک تفریح میں خود ہی اس حد تک نکل آیا تھا۔

مگر اب جو بھی تھا میں نے تو خاموشی سے سب کچھ اس رب پر چھوڑ دیا تھا۔ جو دو جہانوں کا مالک اور سب کی سننے والا اور دلوں کے حال جاننے والا تھا اور میں اس سے ناامید بھی نہیں تھا۔

دس دن پہلے ہی میں وطن واپس لوٹا تھا۔ لڑکی ڈھونڈلی گئی تھی۔ کون تھی یہ مجھے بھی معلوم نہیں۔ تیاریاں فون پر میرے لوٹنے کی اطلاع پا کر ہی شروع کر دی گئیں تھیں اور آج میری شادی اختتام پذیر ہوئی تھی۔ اور میری نئی زندگی کی ابتداء ہونے جا رہی تھی۔ میں نے ہاتھ میں موجود آخری سگریٹ کو چٹکی سے مسل کر پھینکا اور قدم اپنے روم کی جانب بڑھا دیے۔

جو مجھے اپنا اپنا نہیں لگ رہا تھا۔ میرے کمرے میں قدم رکھتے ہی زیورات کا ترنم سا بج اٹھا تھا۔ کمرے میں شاید وہ میرے آنے سے اٹینشن ہوئی تھی۔ میں بیڈ پر اس کے قریب آ بیٹھا۔

"اسلام وعلیکم۔" میں نے درد سے بوجھل آواز میں اسے سلام کیا۔ اور اگلے ہی پل ایک شور سا کمرے میں برپا ہو گیا تھا۔ کلائی کی چوڑیاں' کانچ کی چوڑیاں' گھونگھٹ پر لگے گھونگرو' جو جھٹکے سے گھونگھٹ اٹھانے پر بج اٹھے تھے اور گھونگھٹ ہٹنے پر سامنے کا منظر میرے لیے بھی اتنا ہی حیران کن تھا۔ جتنا اس سرخ جوڑے میں ملبوس وجود کے لیے۔

میرے سامنے بالکل عین سامنے علیزے بیٹھی تھی۔ علیزے تاب ش' اذہبہ اعلیزے عبدال شیرازی۔ یہ بات میرے لیے میری بساط سے بھی زیادہ شاکڈ تھی۔

کئی لمحے وہ مجھے اور میں اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتے رہے اور علیزے کی آنکھ سے شفاف پانی رواں تھا۔ جیسے کوئی تسبیح ٹوٹ کر بکھر رہی ہو۔ ایک کے بعد ایک دوسرے کے پیچھے بہہ رہے تھے۔

اور میرے لیے یقین کرنا زیادہ ممکن ہو گیا تھا۔ سو میں نے اسے چھو کر دیکھا تھا۔

"علیزے.....!" ایک پل کی بھی مزید دیر کیے بنا میں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ میں نے اسے بارہا چھو کے دیکھا کہ یہ سب خواب تو نہیں۔ میں اسے خود سے بھینچے ہوئے تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میرا سینہ پھٹ جائے اور میں اس میں علیزے کو چھپا لوں۔ یا کہ اب وہ مجھ سے پھر جدا نہ ہو۔

اور پھر جانے کتنے پل کتنے گھنٹے گزر گئے۔ میں اسے یونہی اپنی بانہوں میں لیے بیٹھا رہا اور وہ روتی رہی' سسکتی رہی۔ بار بار میرے جسم کے ایک ایک اعضاء کو چھو کر حقیقت کی تصدیق کرتی رہی تھی۔ نمی تو میری بھی آنکھوں میں تھی اور ضبط کے باعث گلا بھی بندھ گیا تھا۔ ہم دونوں ہی کچھ بھی بولنے سننے اور بتلانے کی حالت میں نہ تھے۔ اور کچھ کہنے اور سننے کو بچا بھی کیا تھا؟

ہم دونوں کی داستان ہمارے رویوں سے بیاں تھی اور ہمارا ملنا اس بات کا گواہ تھا کہ میں نے علیزے کو اور علیزے نے مجھے کتنی شدتوں سے مانگا تھا۔ ہمارا روم روم اس رب کا شکر گزار تھا۔ جس نے ہمیں ہماری شدتوں کو جان کر ہمیں ایک دوسرے کے نصیب میں لکھ دیا تھا اور ہمیں کوئی دل دکھانے اور روحی زندگی جینے کے عذاب سے بچا لیا تھا۔

"باندھ لیں ہاتھ پر سینے پہ سجا لیں تم کو
جی میں آتا ہے کہ تصویر بنا لیں تم کو
اس قدر ٹوٹ کر تم پہ ہمیں پیار آیا ہے
اپنی بانہوں میں بھریں مار ہی ڈالیں تم کو"

☆.....☆.....☆